POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 03-04 January 2026, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages 8

HAMARI ZABAN (Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 87واں سال

Date of Publication: 02-01-2026 • Price: 5/- • 8-14 January 2026 • Issue: 2 • Vol:85

۸تا۱۴رجنوری ۲۰۲۶ء • شمارہ:۲ • جلد:۸۵

صحتِ زبان (۳۸)

رؤف پاریکھ

مُسَوَّ دَہ، مَسْوَ دہ یا مَسَو دہ؟

کئی برس قبل کراچی آرٹس کونسل کی عالمی اردو کانفرنس میں ایک وقفے کے دوران میں (جی ہاں! دوران کے بعد 'میں' بھی لکھا جائے گا) ہم لوگ تازہ ہوا کھانے اور چاے پینے ہال سے باہر نکلے۔ پروفیسر شمیم حنفی صاحب، انتظار حسین صاحب اور کچھ دیگر اہلِ قلم بھی ساتھ تھے۔ چونکہ ہم ان سب میں جونیئر تھے چنانچہ انتظار حسین صاحب جب ایک ضروری کام سے جانے لگے تو انھوں نے راقم کو کچھ دیر کے لیے اپنا بستہ (یعنی بیگ) تھمایا۔ ہم نے ازراہِ تفنن کہا ''انتظار صاحب! اس میں آپ کے مُسَوَّ دے ہوں گے، اگر میں لے کر فرار ہو جاؤں تو''؟ انھوں نے اطمینان سے جواب دیا ''اس میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جسے آپ لے کر فرار ہونا چاہیں''۔ شمیم حنفی صاحب ساتھ ہی کھڑے تھے، کہنے لگے آپ نے تو خیر اس کا تلفظ درست ادا کیا یعنی مُسَوَّ دَہ لیکن ہندستان میں اسے کئی لوگ اب مَسَو دہ (مَ سَو دَہ، بواوِلین) بولنے لگے ہیں اور یہ خاصا عام ہوتا جا رہا ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ اب پاکستان میں بعض لوگ اسے مَسْوَ دَہ (مَس وَ دَہ) بولنے لگے ہیں۔

خیر اس وقت تو بات آئی گئی ہوگئی۔ لیکن جب بعد میں لغات ٹٹولیں تو مَسَو دہ (میم مفتوح اور واوِ لین، یعنی بقول حنفی صاحب کے ہندوستان میں رائج ایک تلفظ) تو لغات میں نہیں ملا لیکن معلوم ہوا کہ مَسْوَ دَہ بھی درست ہے اور مُسَوَّ دَہ بھی۔ بعض لغات میں اس لفظ کے یہ دونوں تلفظ درج ہیں۔ مثلاً شان الحق حقی صاحب نے بھی اپنی لغت میں اس کے دونوں تلفظ درج کیے ہیں یعنی مُ سَ وَّ دَہ (میم پر پیش، سین پر زبر، واو پر زبر تشدید کے ساتھ اور دال پر بھی زبر) اور مَ س وَ دَہ (میم پر زبر، سین ساکن، واو پر زبر اور دال پر بھی زبر)۔ حقی صاحب نے مُسَوَّ دَہ کے یہ معنی دیے ہیں: قلمی تحریر، رقم شدہ کاغذ، کچی یا ابتدائی تحریر جسے بعد میں صاف کیا جائے[1]، گویا جو تحریر صاف یا حتمی نہ ہو (جسے انگریزی میں رَف ڈرافٹ (rough draft) کہتے ہیں) اور جسے ترمیم کے بعد بہتر شکل دی جائے وہ مُسوَّ دہ یا مَسوَ دہ ہے۔ حقی صاحب نے مزید لکھا ہے اصلاً: کالا کیا گیا۔ اردو لغت بورڈ نے بھی اس کے یہ دونوں تلفظ دیے ہیں۔ بورڈ نے بھی اس کے معنی دیے ہیں لکھا ہوا، سیاہ کیا گیا، عبارت جو بطور خاکہ لکھی جائے۔ گویا یہ دونوں تلفظ اور معنی بجا ہیں۔ البتہ بورڈ نے جو اسناد دی ہیں ان سے ایک داغ دہلوی کا یہ شعر بھی ہے:

پورا ہوا نہ ایک بھی اس دل کا مسودہ[2]
فرسودہ لاکھ بار قلم ہو کے رہ گیا[1]

لیکن مسودہ کے معنی یہاں بورڈ نے دیے ہیں: قصد، ارادہ۔

مُسوَّ دَہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اردو میں بھی مستعمل ہے اور کسی کتاب یا مضمون وغیرہ کی لکھی ہوئی صورت یا غیر مطبوعہ تحریر کو بھی مُسوَّ دَہ کہتے ہیں، مثلاً کتاب کا مسوَّ دہ، رسالے کے مضامین کے مسوَّ دے۔ مصنف کے ہاتھ کی لکھی عبارت کا کاغذ بھی مسودہ ہے۔ مُسوَّ دَہ کا مادّہ 'س۔و۔دْ ہے اور اسی سے اَسْوَ د ہے۔ اَسْوَ د (اَس وَد، یعنی الف مفتوح، سین ساکن، واو مفتوح، دال ساکن) کے معنی ہیں کالا، سیاہ۔ اسی سے تَسوِ ید کا لفظ بھی ہے جو تفعِیل کے وزن پر ہے۔ صاحبانِ قاموس الاغلاط کے مطابق تسوِید کے لغوی معنی ہیں سردار بنانا، سیاہ کرنا، سرسری طور پر لکھنا اور بقول ان کے مسودہ وہ تحریر ہے جو پہلے سرسری لکھی جائے۔ لیکن اردو لغت بورڈ کی لغت کے مطابق تسوید کا مطلب ہے کالا کرنے کا عمل اور کتاب یا کچھ اور لکھنے کے عمل کو بھی تسوید کہتے ہیں نیز سرسری لکھنا بھی تسوید ہے[3]۔ اسی مادّے (س۔و۔د) سے اَسوَ د (یعنی کالا) کا لفظ ہے اور اسی سے 'مُسَوَّ دْ' کا لفظ بنا ہے اور مُسَوَّ د کے لغوی معنی ہیں: کالا کیا گیا، سیاہ کیا گیا[4]۔ اس کی تانیث ہے مُسوَّ دہ یعنی سیاہ کی گئی۔ لیکن اردو میں لفظ مسوَّ دہ کے لیے مذکر ہی کا صیغہ استعمال ہوتا ہے اور اردو میں اس کی جمع یعنی مسوَّ دات کا لفظ بھی مذکر کے طور پر آتا ہے۔ چونکہ سیاہ روشنائی سے لکھنے سے کاغذ کالا ہو جاتا ہے شاید اس لیے اس کا نام مسوَّ دہ (یعنی کالا کیا گیا) پڑ گیا ہوگا، پھر یہ 'لکھا ہوا' کے مفہوم میں آ گیا اور پھر لکھی ہوئی صورت کو بھی مسودہ کہنے لگے۔ اسٹین گاس کے مطابق مسوَّ دہ کا مطلب ہے جسے کالا کیا گیا ہو، کوئی کالی شے، کوئی لکھی ہوئی چیز، نیز یادداشت کی کتاب[5]۔

ہمیں شبہ ہوا کہ کہیں 'اَسوَ دْ اسمِ تفضیل تو نہیں ہے (کیونکہ اَسْوَ د کا وزن اَفْعَل (اَفْ عَل) ہے جو اسمِ تفضیل کا وزن ہے)۔ ڈاکٹر خورشید رضوی صاحب کو رہنمائی کے لیے زحمت دی تو انھوں نے فرمایا کہ اَفْعَل کا وزن عربی میں تفضیل کے لیے بھی آتا ہے، صفتِ مُشَبَّہ کے لیے بھی، رنگوں کے نام بھی اسی وزن پر ہوتے ہیں اور حلیے یا عیب کے لیے بھی افعل (الف مفتوح، فے ساکن، عین مفتوح، لام ساکن) کے وزن پر عربی میں الفاظ ہوتے ہیں، مثلاً اَعْرَج (الف مفتوح، عین ساکن، رے مفتوح، جیم ساکن) یعنی لنگڑا۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ 'اسودْ تفضیل نہیں ہے، رنگ کا نام ہے۔

عربی میں رنگوں کے نام جو اَفعَل کے وزن پر ہیں اور اسی لیے ان سب میں پہلا حرف مفتوح، دوسرا ساکن اور تیسرا مفتوح ہوگا۔ ان میں سے بعض اردو میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً اَحمَر (سرخ)، اَبیَض (سفید)، اَسوَ د (کالا)، اَخضَر (ہرا)، اَزرَق (نیلا) اور اَصفَر (پیلا) وغیرہ[6]۔ ابیض کی تانیث بَیضاء ہے، احمر کی تانیث حَمراء ہے، اَخضر کی تانیث خَضراء ہے، اَزرَق کی تانیث زَرقاء ہے، اَصفر کی تانیث صفراء ہے اور اسود کی تانیث سوداء ہے[7]۔ ان سب کے عربی املا کے آخر میں ہمزہ (ء) ہے۔ اردو والے کبھی ہمزہ لکھتے ہیں کبھی نہیں لکھتے۔ سَوداء یا سَودا کے لفظی معنی ہیں 'کالی'۔ مذکر یعنی 'کالا' کے لیے اسود کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ حجرِ اسود کا مطلب ہے کالا پتھر اور یہ سیاہ پتھر ہے جو خانۂ کعبہ کی دیوار میں نصب ہے۔

اسی مادّے (س۔و۔د) سے عربی کے بعض الفاظ ہیں جو اردو میں بھی مستعمل ہیں، مثلاً: سَواد (س پر زبر) یعنی سیاہی یا کالک اور اس کے ایک معنی مضافات یا گرد و پیش کا علاقہ بھی ہیں[8]۔ اسی لیے سوادِ شہر سے مراد ہے کسی شہر کی مضافاتی بستیاں یا اس کے اردگرد کا علاقہ۔ سوادِ قلب یعنی دل کی سیاہی، سوادِ خط یعنی لکھائی کی سیاہی یا یوں کہیے کہ روشنائی جو لکھنے میں استعمال ہوتی ہے اور سوادِ خط کے مرادی معنی ہیں لکھنے کا انداز۔ سوادِ چشم یا سوادُ العین یعنی آنکھ کی سیاہی، مراداً: آنکھ کی پُتلی[9]۔ لیکن یاد رہے کہ سَواد (س مفتوح) جس کا ایک تلفظ سُواد (س مضموم، واوِ مخلوط) بھی ہے، ایک الگ لفظ ہے جو عربی نہیں ہے اور مزے یا ذائقے کے مفہوم میں اردو اور ہندی میں مستعمل ہے۔ سُواد اصلاً سنسکرت سے آیا ہے[10]۔

عربی کے اسی مادّے (س۔و۔د) سے ایک لفظ ہے سَودا (واوِ

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کر سکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

لین)۔قدیم زمانے میں بعض حکما کا خیال تھا کہ انسانی جسم میں چار اَخلاط یعنی رطوبتیں ہوتی ہیں: صفرا، سودا ،بلغم اور دَم"(یعنی خون)۔ گویاان اَخلاطِ اربعہ میں سے ایک خِلط (خ مکسور ،لام ساکن) یا رطوبت سَو دا(یاسَو داء) بھی ہے جس کے بارے میں خیال تھا کہ کالی ہوتی ہے۔ پرانے حکیموں کا خیال تھا کہ کسی ایک خِلط کی شدت یافراوانی سے مزاج کی تشکیل ہوتی ہے اور وہ مزاج سودائی، صفراوی ،بلغمی اور دَموی (یعنی خونی) ہوتے ہیں۔ بقولِ غالب:

پی جس قدر ملے شبِ مہتاب میں شراب
اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے

سودا کے غلبے سے بعض حکما کے نزدیک مزاج سَو دائی (واوِلین سے) ہوجاتا ہے، اورسودائی پاگل یا جنونی یا خبطی کو بھی کہتے ہیں۔سَو دا کا لفظ اردو میں جنون، دیوانگی، پاگل پن، نیز خبط ،دُھن اور شدید خواہش کے مفہوم میں بھی آتا ہے[۱۱]۔ہاں البتہ فارسی کاسَو دا(بواوِلین)یعنی خریداری یاسامانِ تجارت ایک الگ لفظ ہے لیکن یہاں عربی کے سودا کا ذکر ہے۔ اس مادے(س۔و۔د) سے بنا ایک لفظ رہ گیا اور وہ ہے سُوَیدا (س مضموم، یاے لین)۔ مفہوم ہے: سیاہ نقطہ۔سویدا دراصل سوداء (یعنی کالی) کی تصغیر ہے[۱۲]۔دل پر جو(مفروضہ) سیاہ نقطہ ہوتا ہے اسے بھی اردو میں سویدا کہتے ہیں[۱۳]۔

المختصر، مُسوَّدَہ (مُ سَ و۔وَدَہ)اورمَسْوَدَہ (مَ س ۔وَدَہ) دونوں تلفظ درست ہیں۔

مُبَیَّضَہ

اوپر مسودہ کا ذکر آیا۔مسودہ کی ضد ہے مُبَیَّضَہ (میم پر پیش، بے پر زبر، ی پر تشدید زبر کے ساتھ اور ضاد پر زبر)۔ مبیضہ کے لفظی معنی ہیں سفید کیا ہوا[۱۴] اوراس سے مراد ہے درست اور صاف کی ہوئی تحریر، کسی عبارت یا مضمون یا کتاب وغیرہ کے مسوّدے کی حتمی یا آخری شکل[۱۵]۔ مسودے کو صاف کر کے لکھنے کو تبیض کہتے ہیں[۱۶]۔تبیض گویا تسوید کی ضد ہے۔البتہ اردو والے تبیض کا املا تبئیض بھی کرتے ہیں، یعنی دو بار 'ی' لکھنے کے بجائے ہمزہ اورایک 'ی' لکھتے ہیں۔مبیضہ کا مادہ ب۔ی۔ض ہے ۔اسی سے اَبَیَض ہے۔ابیض کے معنی ہیں سفید اور یہ اَسوَد (یعنی کالا) کی ضد ہے۔لفظ بیضہ(آخر میں 'ہ') یعنی انڈا بھی اسی مادّے سے ہے[۱۷]('انڈا' کا املا بعض لوگ 'انڈہ' کرتے ہیں جو درست نہیں)۔

خیال رہے کہ بیضہ(آخر میں ہاے مختفی) الگ لفظ ہے اور بیضا (آخر میں الف)اس سے الگ ہے۔ بیضا (جس کے عربی املا میں آخر میں ہمزہ بھی ہے، یعنی بیضاء)دراصل ابیض (یعنی سفید) کی تانیث ہے (جیسا کہ اوپر ذکر ہوا)اور بیضا کا لفظ چمک دار، روشن، صاف اور خالص کے مفہوم میں بھی آتا ہے[۱۸]۔ملتِ بیضا (بیضاء) کنایہ ہے مسلمان قوم سے[۱۹]۔یدِ بیضا یعنی چمکتا ہوا ہاتھ یا روشن ہاتھ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا اوریدِ بیضا یادستِ موسیٰ یادستِ کلیم کی تراکیب اردو میں تلمیح کے طور پر بھی مستعمل ہیں[۲۰]۔ بیضوی کا لفظ بھی اسی مادّے (ب۔ی۔ض)سے ہے، معنی ہیں: لمبوتری گولائی کی شکل کا[۲۱]، انڈے کا شکل کا (oval)، اوراس مفہوم میں بیضوی کے علاوہ بیضاوی بھی ہے۔ چلتے چلتے یہ بھی دیکھ لیجیے کہ بیاض کا لفظ بھی اسی مادّے ب۔ی۔ض سے ہے، معنی ہیں: سفیدی نیز سادہ کتاب[۲۲]،کوری کتاب (جس میں پسندیدہ اشعار وغیرہ لکھے جائیں)۔

حلوااور سقّا

حلوا مٹھائی کی ایک قسم ہے۔ حلوا کے مجازی معنی ہیں: بہت آسان، گویاانگریزی محاورے میں جسے a piece of cake کہتے ہیں وہ اردو میں حلوا ہے۔ حلوا کے ایک اور مجازی معنی بھی ہیں: کوئی چیز جو بہت نرم یا میٹھی ہو۔حلوا کے ایک مجازی معنی بوسہ بھی ہیں اور جو چیز سہل الحصول ہوا سے بھی مجازاً حلوا کہتے ہیں[۲۳]۔

لیکن حلوا کو بعض لوگ حلوہ (یعنی آخر میں ہاے مختفی) لکھتے ہیں لیکن یہ درست نہیں۔اس کا درست املا حلوا (یعنی آخر میں الف) ہے۔ عربی میں حلوا کا املا 'حلواء' (آخر میں ہمزہ) اور حلویٰ (آخر میں الف مقصورہ، یعنی الف بشکلِ 'ی') بھی ہے[۲۴]، گویا اس کے آخر میں ہاے مختفی لکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔عبدالستار صدیقی نے ایسے الفاظ کا ذکر کیا ہے جن کے آخر میں 'ہ' (ہاے مختفی) لکھنا درست نہیں بلکہ ان کے آخر میں الف لکھنا چاہیے اوران میں حلوا اور سقّا (پانی لانے یا پلانے والا) بھی شامل ہیں، یعنی بعض لوگ 'سقّہ' اور 'حلوہ' لکھتے ہیں لیکن حلوا اور سقّا لکھنا چاہیے کہ یہی درست املا ہے[۲۵]۔اسی حلوا سے حلوائی ہے یعنی مٹھائی بنانے اور بیچنے والا۔لفظ حلوا کے ساتھ جو ترکیبیں اردو میں مستعمل ہیں ان میں حلواے بے دُود بھی ہے۔ دُود (واوِ معروف) فارسی ہے ، معنی ہیں دھواں۔حلواے بے دود کے معنی ہیں نہایت عمدہ مٹھائی ،نرم وملائم شے اور جس چیز کو حاصل کرنا یا ہضم کرنا آسان ہوا سے بھی حلواے بے دود کہتے ہیں اور مجازاً بوسے کو بھی کہتے ہیں[۲۶]۔

حواشی:

۱۔ فرہنگِ تلفظ (اسلام آباد: ادارۂ فروغِ قومی زبان، ۲۰۲۲ء) (اشاعتِ نو)۔
۲۔ اردولغت (تاریخی اصول پر) ،جلد ۱۸ (کراچی: اردولغت بورڈ، ۲۰۰۲ء)۔
۳۔ ملاحظہ ہو: قاموس الاغلاط (مرتبہ سید مختار احمد ٹونکی اور مولانا غلام مصطفیٰ ذہین حیدرآبادی)، (حیدرآباد (دکن): مکتبۂ ابراہیمیہ، سنہ ندارد)، ص۱۵۱؛ نیز اردولغت (تاریخی اصول پر)، جلد۵ (کراچی: اردولغت بورڈ، ۱۹۸۳ء)۔
۴۔ اردولغت (تاریخی اصول پر)، جلد۱۸، محولۂ بالا۔
۵۔ A Comprehensive Persian-English Dictionary (مرتبہ ایف اسٹین گاس F. Steingass)، (لاہور : سنگ میل ۲۰۰۰ء، عکسی طباعت، اشاعتِ اول۱۸۹۲ء)۔
۶۔ عبدالرحمٰن طاہر سورتی ، عربی سیکھیے (اسلام آباد: ادارۂ فروغِ قومی زبان، ۲۰۲۳ء)، ص۶۱۱، ۶۱۲ (اشاعتِ نو، دوجلدیں یک جا)۔
۷۔ ایضاً۔
۸۔ فرہنگِ آصفیہ، (مبنی بر چہار جلد) (مرتبہ سید احمد دہلوی)، (لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۷۷ء)؛ نیز مصباح اللغات (عربی بہ اردو) (مرتبہ عبدالحفیظ بلیاوی)، (لاہور: المصباح، سنہ ندارد)۔
۹۔ اردولغت (تاریخی اصول پر)، جلد۱۲ (کراچی: اردولغت بورڈ، ۱۹۹۱ء)؛ نیز اسٹین گاس، محولۂ بالا۔
۱۰۔ A Dictionary of Urdu, Classical Hind and English، (مرتبہ جان ٹی پلیٹس John T. Platts)، لندن: کراسبی لاک وڈ اینڈ سنز، ۱۹۱۱ء (اشاعتِ اول۱۸۸۴ء)۔
۱۱۔ اردولغت (تاریخی اصول پر) ،جلد ۱۱ (کراچی: اردولغت بورڈ، ۱۹۹۱ء)۔
۱۲۔ پلیٹس (Platts) ،محولۂ بالا۔
۱۳۔ فرہنگِ آصفیہ، محولۂ بالا۔
۱۴۔ فرہنگِ عامرہ (مرتّبہ محمد عبداللہ خان خویشگی)، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹ء)۔
۱۵۔ اردولغت (تاریخی اصول پر) ،جلد ۱۷ (کراچی: اردولغت بورڈ، ۲۰۰۰ء)۔
۱۶۔ مصباح اللغات، محولۂ بالا۔
۱۷۔ ایضاً۔
۱۸۔ اسٹین گاس، محولۂ بالا۔
۱۹۔ علمی اردولغت (مرتبہ وارث سرہندی) (لاہور: علمی کتب خانہ، ۲۰۰۳ء) (نیا ایڈیشن)۔
۲۰۔ وحیدالدین سلیم، تلمیحات (مرتبہ رؤف پاریکھ)، (کراچی: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۹ء)، ص۱۹، ۲۱۔
۲۱۔ اردولغت (تاریخی اصول پر) ،جلد۲ (کراچی: اردولغت بورڈ، ۱۹۷۹ء)۔
۲۲۔ مصباح اللغات، محولۂ بالا؛ نیز فرہنگِ عامرہ، محولۂ بالا۔
۲۳۔اردولغت (تاریخی اصول پر)، جلد ۸ (کراچی: اردولغت بورڈ، ۱۹۸۷ء)۔
۲۴۔ المنجد (عربی بہ اردو) (مترجم سعد حسن خاں یوسفی و دیگر)، کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۷۵ء۔
۲۵۔ مقالاتِ صدیقی (لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکیڈمی، ۱۹۸۳ء)، ص۷۔
۲۶۔ اردولغت (تاریخی اصول پر)، جلد۸، محولۂ بالا؛ نیز اسٹین گاس، محولۂ بالا؛ علمی اردولغت، محولۂ بالا۔

ڈاکٹر رؤف پاریکھ
A-337، بلاک19، گلشنِ اقبال، کراچی، پاکستان
drraufparekh@yahoo.com

اردو ہندی ڈکشنری
انجمن ترقی اردو (ہند)
قیمت: 300روپے

اسٹینڈرڈ انگلش اُردو ڈکشنری
مولوی عبدالحق
قیمت: 500روپے

اُردو زبان وادب کا پہلا محقق ومدرس
جان بارتھ وِک گل کرسٹ
تالیف وترجمہ
صدیق الرحمٰن قدوائی
قیمت: 250روپے

میرا جنون اُردو
(خطبات و مضامین)
طاہر محمود
قیمت: 700روپے

علامہ شبلی نعمانی کے شعری اور تنقیدی کارنامے

مرضیہ عارف

علامہ شبلی نعمانی کی شخصیت اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ پُرکشش اور پہلودار ہے۔ تنوّع اور رنگارنگی کی یہ کیفیت ان کے تمام عملی، علمی اور ادبی کارناموں میں پائی جاتی ہے۔ وہ اعلا درجے کے سوانح نگار، عظیم المرتبت سیرت نگار، بلند پایہ ناقد، فلسفی وخطیب اور صاحبِ طرز انشاپرداز ہی نہیں، قادرالکلام شاعر بھی تھے۔

علامہ شبلی کی نگاہ بہت دوررس تھی، وہ بہت دور کو قریب سے دیکھنے کے عادی تھے۔ اُن کا شعور نہایت بلند اور فکر میں پختگی تھی۔ مشاہدے کی قوّت اور اظہارِ رائے کی جرأت بھی کافی پائی جاتی تھی۔ ہر معاملے میں اپنی رائے رکھتے تھے۔ دوسروں کی رائے کا احترام کرتے مگر اس سے مرعوب ہونا نہیں جانتے تھے۔ زندگی اور اُس سے وابستہ حقائق اور مسائل کے بارے میں مختلف زاویے سے وہ سوچتے اور اس کے ہر پہلو پر نظر رکھتے تھے۔ قوم کو پستی سے بلندی کی طرف لے جانا اور پژمردہ سوسائٹی میں از سرِ نو روح پھونکنا اُن کے تمام علمی اور فنی کارناموں کا ماحصل ہے۔ علامہ کا خیال تھا کہ قوم کے صرف مذہبی معاملات ہی درست نہیں ہونے چاہیے، اس کی سماجی زندگی، اقتصادی امور، تعلیمی مسائل اور سیاسی نظریات، سب میں درستگی اور پختگی آنی چاہیے۔ انھیں احساس تھا کہ محض ماضی پرستی یا قدامت پسندی کسی قوم کو زندہ رکھنے کے لیے کافی نہیں ہے لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ محض روایات سے بغاوت ہی قوم کی ترقی کی ضمانت نہیں لہٰذا وہ ساری زندگی قدیم وجدید اور ماضی و حال کو ملانے کے لیے کوشاں رہے۔

بچپن ہی سے شبلی نعمانی کو شعر کہنے کا شوق تھا۔ علامہ سیّد سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ طالبِ علمی کے زمانے میں انھیں اوڑھنے کی ایک چادر کی ضرورت ہوئی تو بیٹے نے باپ کو یہ شعر لکھ بھیجا:

پدر جس کا یوں صاحبِ تاج ہو
پسر اُس کا چادر کو محتاج ہو

باپ بہت خوش ہوئے اور بیٹے کو چادر انعام دی... اعظم گڑھ میں ایک کتب فروش تھے، مولانا بچپن ہی میں چھٹیوں کے اوقات میں ان کی دوکان پر پہنچ جاتے اور وہیں بیٹھ کر مختلف شاعروں کے دیوان پڑھا کرتے۔ حافظہ بہت تیز تھا، بیسیوں اشعار یاد کر لیتے۔ شروع میں تسلیم تخلص تھا، بعد میں شبلی۔ شاعری میں کسی کے سامنے زانوے تلمذ تہ نہیں کیا۔

مولانا صباح الدین عبدالرحمٰن لکھتے ہیں: ’’مولانا محمد فاروق چڑیا کوٹی سے تحصیلِ علم کے دوران اُن کا یہ ذوق پروان چڑھا۔ شبلی نے شاعری کی تقریباً تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ اردو غزل میں اُن کا معیار اُن کے رتبے کے مطابق نہیں مگر فارسی غزل میں ان کا اپنا مقام ہے، تاہم اردو میں مثنوی ’صبحِ امید‘ نیز ’سانحہ کانپور‘ اور کئی دیگر موضوعات پر ان کی نظمیں قابلِ قدر ہیں۔ انھوں نے مثنوی ’صبحِ امید‘ لکھی، اس میں مسلمانوں کے عروج وزوال کی داستان بیان کی ہے اور پھر سرسیّد کی تحریک کی روشنی میں صبح کی خوش خبری سنائی۔ 29 جون 1913 کو مسجد کانپور کا سانحہ پیش آیا۔ مسلمانوں کے احتجاج کے باوجود کانپور کی انگریز انتظامیہ نے سڑک سیدھی کرنے کی غرض سے وہاں کے مچھلی بازار کی مسجد کا کچھ حصہ شہید کر دیا۔ قدرتی طور پر مسلمانوں کے جذبات شدید مجروح ہوئے اور اُن میں انتہائی غیظ وغضب پھیل گیا۔ وہ جلوس کی شکل میں مسجد پہنچے اور منہدم حصے کو از سرِ نو تعمیر کرنا شروع کر دیا، جب انگریز ڈپٹی کمشنر کو خبر ملی تو رعونت کا مارا وہ پولیس لے کر موقعے پر پہنچا اور بغیر وارننگ کے نہتے لوگوں پر گولی چلا دی جس سے نہ صرف مسلمان مرد بلکہ بچّے بھی شہید ہو گئے۔ اس سانحے پر ہندستان کے مسلمان صدائے احتجاج بن گئے اور مولانا شبلی نعمانی نے وہ نظم کہی جس کا یہ شعر پڑھ کر آج بھی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگتے ہیں:

عجب کیا ہے جو نوخیزوں نے سب سے پہلے جانیں دیں
یہ بچّے ہیں انھیں تو جلد سو جانے کی عادت ہے

اس کے علاوہ ’ہم کشتگان معرکہ کانپور‘ کے عنوان سے ایک نظم کہی جو ان دنوں بچّے بچّے کی زبان پر تھی، نظم یہ ہے:

کل مجھ کو چند لاشۂ بے جاں نظر پڑے
دیکھا قریب جا کے تو زخموں سے چور ہیں

کچھ طفل خرد سال ہیں جو چُپ ہیں خود مگر
بچپن یہ کہہ رہا ہے کہ ہم بے قصور ہیں

آئے تھے اس لیے کہ بنائیں خدا کا گھر
نیند آ گئی ہے منتظرِ نفخ صور ہیں

کچھ نوجواں ہیں بے خبرِ نشۂ شباب
ظاہر میں گرچہ صاحبِ عقل و شعور ہیں

اٹھتا ہوا شباب یہ کہتا ہے بے دریغ
مجرم کوئی نہیں ہے مگر ہم ضرور ہیں

سینے پہ ہم نے روک لیے برچھیوں کے وار
از بسکہ مست بادۂ ناز و غرور ہیں

کچھ پیر کہنہ سال ہیں دل دادۂ فنا
جو خاک وخوں میں بھی ہمہ تن غرقِ نور ہیں

پوچھا جو میں نے، کون ہو تم؟ آئی یہ صدا
ہم کشتگانِ معرکۂ کانپور ہیں

اور پھر وہ مشہور نظم ’عدلِ جہانگیری‘ جس میں موسیقی بھی ہے اور مصوّری بھی! نظم کا آغاز یوں ہوتا ہے:

قصرِ شاہی میں کہ ممکن نہیں غیروں کا گذر
ایک دن نور جہاں بام پہ تھی جلوہ فگن
کوئی شامت زدہ رہگیر ادھر آنکلا
گرچہ تھی قصر میں ہر چار طرف قدغن
غیرتِ حسن سے بیگم نے طمنچہ مارا
خاک پر ڈھیر تھا اک کشتہ بے گور وکفن

اور جب اس کے ورثا کی شکایت پر جہانگیر نے مفتیِ دین سے فتویٰ پوچھا تو جواب ملا:

شرع کہتی ہے کہ قاتل کی اُڑادو گردن

اس پر شہنشاہ جہانگیر کہتا ہے:

جلاّد کو دیں حکم کہ ہاں تیغ بزن

آخر کار نور جہاں خوں بہا دے کر جان بچاتی ہے، پھر جہانگیر دربار سے اٹھ کر سوئے حرم جاتا ہے۔ نظم کا آخری شعر یہ ہے:

دفعتاً پاؤں پہ بیگم کے گرا اور یہ کہا
تو اگر کشتہ شدی، آہ چہ می کردم من

تاریخ نویسی اور تنقید نگاری میں علامہ کا اسلوبِ بیان نہایت دلکش اور دلچسپ ہے۔ طرزِ استدلال پر اتنا عبور ہے کہ حقیقت خود بخود شہادت کے لیے سامنے آجاتی ہے۔ فنِ تنقید کو انھوں نے اردو ادب میں بہت فروغ دیا۔ اس کے اصول وضوابط بھی مرتب کیے۔ حالی نے جو اصولِ فن متعین کیے تھے شبلی نے ان میں اضافہ کیا اور انہی بنیادوں پر سربہ فلک محل تیار کیا۔ تاریخ نویسی میں بھی ان کی مہارت کا ایک جہاں معترف ہے۔

علامہ شبلی کا طرزِ تحریر سادہ اور سلیس ہے، وہ تشبیہات واستعارات سے خوب کام لیتے ہیں۔ سرسیّد اور حالی کی طرح انگریزی الفاظ استعمال نہیں کرتے بلکہ روزمرّہ کے اور عام پسند الفاظ ضرور استعمال کرتے ہیں لیکن جب دلائل پیش کرنے کا موقع آتا ہے تو عربی، فارسی کے الفاظ کثرت سے استعمال کرتے چلے جاتے ہیں۔ شبلی کی عبارت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ تحریر میں تقریر کا لطف آجاتا ہے۔

علامہ شبلی کی ہی وہ شخصیت ہے جو کہ نہ لکھنوی ہے، نہ دہلوی لیکن پھر بھی دنیاے ادب اُن کی تحریر سے سند حاصل کرتا ہے۔ آج شبلی کی طرزِ تحریر کا کافی شہرہ ہے اور ان کی طرزِ نگارش کی تقلید ایک مستقل فن بن گیا ہے۔

علامہ شبلی کی تحریر میں صفائی اور سادگی بدرجۂ اتم موجود ہے لیکن ایسی سادگی نہیں کہ ادبی چاشنی ہلکی پڑ جائے۔ ادبیت ان کی تحریر کا خاص جوہر ہے۔ فارسی کے عالم ہونے کے باعث فارسی کی نادر تراکیب جابجا ملتی ہیں مگر نذیر احمد اور آزاد کی طرح وہ فارسیت کے عادی نہیں اور نہ فرحت اللہ بیگ کی طرح مغلق اور اَدَق الفاظ سے سیدھی سادی بات کے بیان میں پہاڑ کھڑا کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ علامہ شبلی نعمانی قدیم وجدید کے وہ سنگم ہیں، جہاں دو دریاؤں کے دھارے آکر مل جاتے ہیں۔ وہ قدیم مذہبی علوم کے جتنے بڑے عالم ہیں، جدید علوم کے ایک بڑے نبّاض ومحقق کی شناخت کے مالک بھی ہیں۔

ڈاکٹر مرضیہ عارف
مکان نمبر 4، اسٹریٹ نمبر 1، ریت گھاٹ روڈ، بھوپال-462001
Mob. 6267843376

کلیم عاجز
تاریخ، یادداشت اور تخلیق
سرورالہدیٰ
قیمت: 500 روپے

اردو دُنیا

نئے سال میں تیس ہزار اساتذہ کی بحالی ہوگی

پانچ ہزار لائبریرین بحال کیے جائیں گے، چوتھے مرحلے میں اساتذہ کی بحالی سے متعلق درخواست 14 جنوری تک بی پی ایس سی کو بھیجی جائے گی

پٹنہ (29 دسمبر)۔ بہار میں اساتذہ کی تقرری کے منتظر امیدواروں کے لیے اچھی خبر ہے۔ نئے سال میں تقریباً 30,000 اساتذہ اور 5,500 لائبریرین کی تقرری کی جائے گی۔ محکمۂ تعلیم اس مقصد کے لیے تمام ضروری رسمی کارروائیاں مکمل کررہا ہے۔ 31 اضلاع سے اساتذہ کی اسامیاں موصول ہوئی ہیں جن کی کل تعداد تقریباً 26,000 ہے۔ باقی سات اضلاع کے اساتذہ کی اسامیاں اس ہفتے محکمے کو دستیاب ہوں گی۔ محکمے کا اندازہ ہے کہ تمام اضلاع میں اساتذہ کی تقریباً 30,000 اسامیاں ہوسکتی ہیں۔ سوچنا بھون کے پریس روم میں نامہ نگاروں سے خطاب کرتے ہوئے وزیرِ تعلیم سنیل کمار نے کہا کہ ریاست میں ٹیچر ریکروٹمنٹ امتحان (TRE-4) کے چوتھے مرحلے کے تحت اساتذہ کی تقرریوں کے لیے درخواستیں 14 جنوری تک بہار پبلک سروس کمیشن (BPSC) کو جمع کردی جائیں گی۔ اس مقصد کے لیے روسٹر کلیئرنس کو تیزی سے نافذ کیا جارہا ہے۔ ساڑھے پانچ ہزار لائبریرین کی بھرتی کا عمل بھی جلد شروع ہوجائے گا۔ انھوں نے کہا کہ TRE-4 کے بعد ریاست میں خالی عہدوں کو پُر کرنے کے لیے ساڑھے پانچ ہزار لائبریرین کی بھرتی کا عمل شروع ہوجائے گا۔ روسٹر کلیئرنس اور قابلیت کے امتحان کے بعد BPSC کو ایک درخواست بھیجی جائے گی۔ اس موقعے پر محکمے کے ایڈیشنل چیف سکریٹری ڈاکٹر بی راجندر، سکریٹری دنیش کمار، ڈائرکٹر ہائر ایجوکیشن ڈاکٹر این. کے. اگروال، ڈائرکٹر منورنجن کمار اور ڈپٹی ڈائرکٹر آف پبلک ریلیشنز دنیش کمار موجود تھے۔ انھوں نے بتایا کہ معذور بچوں کو پڑھانے کے لیے سات ہزار خصوصی اساتذہ تعینات کیے جائیں گے۔ درخواست بی پی ایس سی کو بھیج دی گئی ہے۔ بی پی ایس سی نے اب تک دو لاکھ ستائیس ہزار نو سو پچانوے اساتذہ کی تقرری کی ہے۔ اس کے علاوہ ریاست بھر میں مختلف پنچایتوں میں تعینات اساتذہ کے لیے قابلیت ٹیسٹ لیے جارہے ہیں۔ اب تک قابلیت کا امتحان پاس کرنے والے تقریباً دو لاکھ چھیاسٹھ ہزار سات سو چھیاسی اساتذہ کو خصوصی اساتذہ کے طور پر تعینات کیا گیا ہے۔ اسی طرح ریاست میں اٹھائیس ہزار سات سو اڑتالیس ہیڈ ٹیچرز اور چار ہزار چھے سو نناوے ہیڈ ماسٹرس کی تقرری کی گئی ہے۔

(قومی تنظیم۔ پٹنہ)

حیدرآباد میں اردو تہذیب وثقافت کی نادر مثال

عابڈس کے چرچ میں اردو میں دعائیہ اجتماع

آصف سابع نے اراضی کا عطیہ دیا تھا

حیدرآباد (26 دسمبر)۔ حیدرآباد دنیا میں اردو تہذیب و ثقافت کے مرکز کی حیثیت سے اپنی شناخت رکھتا ہے اور آصفِ سابع نواب میر عثمان علی خاں کی جانب سے مذہبی رواداری کی مثالیں آج بھی قائم ہیں۔ قلبِ شہر کے عابڈس علاقے میں ایک چرچ میں آج بھی اردو زبان میں دعا کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ چراغ علی لین میں واقع سینٹ لیوک ہندستانی چرچ میں ہر اتوار کو اردو میں دعائیہ اجتماع منعقد ہوتا ہے۔ یہ چرچ 1905 میں 1.5 ایکڑ اراضی پر تعمیر کیا گیا اور یہ اراضی آصفِ سابع نواب میر عثمان علی خاں نے کرسچن مشنریز سوسائٹی آف لندن کو بطورِ عطیہ پیش کی تھی۔ بتایا جاتا ہے کہ 1900 میں لندن سے تین مشنریز حیدرآباد پہنچے تھے اور مقامی تہذیب و ثقافت اور حیدرآبادی زبانوں کا مطالعہ کیا۔ انھوں نے نظام حکومت سے چرچ کے قیام کے لیے اراضی الاٹ کرنے کی درخواست کی۔ نظام دورِ حکومت سے ہی چرچ میں دعا کا اہتمام اردو زبان میں کیا جاتا ہے۔ ریورنٹ سیموئیل ہیرالڈ جو چرچ کے انچارج ہیں، اردو میں دعا کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ نظام دورِ حکومت میں اردو سرکاری زبان تھی اور تمام مذاہب کے افراد اردو لکھتے اور پڑھتے تھے۔ 27 ستمبر 1947 کو چرچ آف ساؤتھ انڈیا ٹرسٹ ایسوسی ایشن نے عابڈس میں واقع چرچ کا انتظام اپنے ذمے لیا اور اسکا نام سینٹ لیوکس ہندستانی چرچ رکھا گیا۔ چرچ میں کئی دہوں کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اردو میں دعائیہ اجتماع کا اہتمام ہوتا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ چرچ میں اردو زبان میں بائبل بھی موجود ہے۔ (سیاست۔ حیدرآباد)

یدرور کے سرکاری اُردو اسکول میں

کنڑا اُستاد کے تقرر کا مطالبہ

سرینواس پور (14 دسمبر)۔ کولار ضلع کے سرینواس پور تعلقہ کے یدرور گاؤں میں واقع سرکاری اردو ہائر پرائمری اسکول میں کنڑ زبان کے استاد کی عدمِ دستیابی کے باعث طلبہ کو شدید تعلیمی مشکلات کا سامنا ہے۔ گذشتہ دو ماہ سے اسکول میں کنڑ مضمون کی کوئی باقاعدہ کلاس نہیں ہوسکی جس سے طلبہ میں تشویش اور والدین میں بے چینی پائی جارہی ہے۔ اسکول میں اس سے قبل خدمات انجام دینے والی کنڑ ٹیچر کے سبکدوش ہونے کے بعد اب تک ان کی جگہ کسی نئے استاد کی تقرری نہیں کی گئی ہے۔ اس صورتِ حال کے سبب بچوں کی لسانی مہارت اور مجموعی تعلیمی ترقی بُری طرح متاثر ہورہی ہے۔ والدین کا کہنا ہے کہ کنڑ مضمون کی تعلیم نہ ملنے سے بچوں کا تعلیمی مستقبل خطرے میں پڑ گیا ہے جو ناقابلِ قبول ہے۔ گاؤں کے عوام اور والدین نے اس مسئلے کو مقامی بی ای او، آفیسر اور ڈپٹی ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن (ڈی ڈی پی آئی) کے علم میں لاکر فوری کارروائی کا مطالبہ کیا ہے۔ خاص طور پر اقلیتی طلبہ کے تعلیمی مستقبل کو مدِنظر رکھتے ہوئے بغیر کسی تاخیر کے اسکول میں کنڑا استاد کی تقرری ضروری قرار دی گئی ہے۔ والدین کا کہنا ہے کہ کنڑ مضمون کی تعلیم سے محرومی براہِ راست طلبہ کی تعلیمی نشو ونما پر منفی اثر ڈال رہی ہے۔ اگر جلد ہی مسئلہ حل نہ کیا گیا تو آئندہ تعلیمی مراحل میں بھی بچوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے، اس لیے حکومت اور محکمۂ تعلیم سے پُر زور مطالبہ کیا گیا ہے کہ فوری طور پر کنڑا اساتذہ کو مقرر کرکے بچوں کے مستقبل کو محفوظ بنایا جائے۔ یہ گاؤں والوں اور والدین کا مشترکہ مطالبہ ہے کہ متعلقہ حکام اس جانب سنجیدگی سے توجہ دیں اور فوری اقدام کریں۔

(سالار۔ بنگلور)

تلنگانہ اردو اکیڈمی کے تحت قائم

لائبریریوں کے ملازمین 8 ماہ سے تنخواہ سے محروم

حیدرآباد (30 دسمبر)۔ تلنگانہ اردو اکیڈمی کے تحت قائم لائبریریز، کمپیوٹر سنٹرس میں برسرِ کار ملازمین کی آٹھ ماہ سے تنخواہ ادا نہیں کی گئی اور نہ ہی محکمۂ اقلیتی بہبود سے کوئی پیش رفت کی جارہی ہے جو ملازمین کے لیے سخت مشکلات کا سبب بن رہا ہے۔ اردو اکیڈمی کے کمپیوٹر سنٹرس جو پیش رو حکومت کے دور میں تلنگانہ اقلیتی مالیاتی کارپوریشن کے تحت کردیے گئے تھے، انھیں گذشتہ ماہ اردو اکیڈمی کے حوالے کردیا گیا لیکن دونوں اداروں کے مابین تنازع کے دوران ملازمین کی تنخواہ مسئلہ بن چکی ہے اور مئی 2025 سے ان مراکز کے ملازمین و عملے کو تنخواہوں کی عدمِ اجرائی کے سبب اب ملازمین نے 2 جنوری کو 'چلو اسمبلی' پروگرام کی منصوبہ بندی شروع کردی ہے۔ اس سے متعلق عہدیداروں کا کہنا ہے کہ نومبر اور دسمبر کی تنخواہیں تلنگانہ اردو اکیڈمی جاری کرنے کو تیار ہے لیکن مئی تا اکتوبر 2025 جو بقایاجات ہیں ان کی اجرائی اقلیتی مالیاتی کارپوریشن سے کی جانی چاہیے جب کہ کارپوریشن کا کہنا ہے کہ ان ملازمین کی خدمات کو اردو اکیڈمی کے حوالے کیا جاچکا ہے، اسی لیے بقایاجات بھی اکیڈمی کو ادا کرنے ہوں گے۔ محکمۂ اقلیتی بہبود سے 11 دسمبر کو اقلیتی مالیاتی کارپوریشن کو مکتوب روانہ کرکے پانچ ماہ کے بقایاجات کی اجرائی کی سفارش کی گئی ہے جب کہ سکریٹری محکمۂ اقلیتی بہبود جناب ایم. بی. شفیع اللہ (آئی ایف ایس) خود انچارج نائب صدر نشیں و منیجنگ ڈائرکٹر اقلیتی مالیاتی کارپوریشن ہیں۔ آٹھ ماہ سے جن ملازمین کو تنخواہیں نہیں دی گئی ہیں ان کا کہنا ہے کہ وہ مسلسل نمائندگیوں کے بعد اب عاجز آچکے ہیں کیوں کہ ان کے معاشی مسائل میں اضافہ ہونے لگا ہے۔ ملازمین کی اکثریت محکمۂ اقلیتی بہبود کے عہدیداروں کے رویّے کے خلاف احتجاج کی منصوبہ بندی کررہی ہے اور اسمبلی سرمائی سیشن کے دوران 'چلو اسمبلی' منعقد کرنے پر غور کیا جارہا ہے تاکہ ان کی تنخواہوں کی اجرائی کے لیے حکومت کو متوجہ کیا جاسکے۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کی تشکیلِ نو کے لیے

وزیرِ اعظم کو مکتوب

نئی دہلی (4 جنوری)۔ اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن نے قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کی باڈی کی جلد از جلد تشکیل کے لیے وزیرِ اعظم نریندر مودی کو خط لکھا ہے۔ اس تعلق سے بات کرتے ہوئے اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن کے قومی صدر ڈاکٹر سیّد احمد خاں نے کہا کہ کونسل کی تشکیل میں تاخیر سے اردو زبان کی ترقی اور فروغ کے کام متاثر ہورہے ہیں۔ مکتوب کا بنیادی مقصد قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان (این سی پی یو ایل) کی کارکردگی کو بہتر بنانا اور اردو زبان کے فروغ کے منصوبوں کو تیزی سے آگے بڑھانا ہے۔ یہ کام اچھے طریقے سے تبھی ہوسکتے ہیں جب اس کی تشکیل عمل میں آئے گی۔ اردو زبان کی اہمیت و افادیت پر بات کرتے ہوئے ڈاکٹر سیّد احمد خاں نے کہا کہ اردو کی پیدائش بھارت میں ہی ہوئی ہے اور یہیں اس زبان کو فروغ ملا ہے۔ تاہم وقت کے ساتھ ساتھ اس کی مقبولیت میں بے حد اضافہ ہوا ہے اور آج بھی ہر کس و ناکس کی پسندیدہ زبان اردو ہے۔ اس زبان کو ہر دور میں نہ صرف سرکاری بلکہ عوامی سطح پر محبت اور ثقافت کی زبان کے طور پر قبول کیا گیا۔ انھوں نے کہا کہ اردو زبان کی ترقی و ترویج کے لیے قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان (این سی پی یو ایل) کا قیام کیا گیا ہے اور وزارتِ تعلیم کے تحت یہ کام کرتا ہے لیکن یہ تشویشناک بات ہے کہ گذشتہ تین برسوں سے نہ تو وائس چیئرمین کی تقرری ہوئی ہے اور نہ ہی اس کی تشکیل اب تک ہو پائی ہے جس کے سبب کونسل پوری طرح سے کام نہیں کرپارہی ہے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ این سی پی یو ایل کی باڈی تشکیل دی جائے تاکہ انتظامی ڈھانچہ پوری طرح فعال ہوسکے اور اردو زبان کے فروغ کے لیے جاری کاموں کو تیزی اور موثر طریقے سے آگے بڑھایا جاسکے۔ ڈاکٹر سیّد احمد خاں نے وزیرِ اعظم سے مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کی جلد از جلد تشکیلِ نو کی طرف توجہ دی جائے تاکہ وسیع تر مفاد میں اس کی سرگرمیاں جلد از اجلد دوبارہ شروع ہوسکیں۔ (انقلاب۔ دہلی)

☆☆☆

گھر کی تختیوں پر اردو میں نام لکھنے پر کوئی سرکاری پابندی نہیں

پروفیسر اختر الواسع

نئی دہلی (2 جنوری)۔ ادبی و ثقافتی تنظیم نئی آواز اور کمپیوٹر انسٹی ٹیوشن آف انفارمیشن ٹیٹوریل سوسائٹی ٹرسٹ کے مشترکہ بینر تلے کُل ہند مشاعرہ بہ تعاون اردو اکیڈمی، دہلی منعقد ہوا، جس کی صدارت اسلم بنارسی نے کی۔ دہلی پولیس کے ڈپٹی کمشنر اور آئی پی ایس آفیسر جتندر منی ترپاٹھی مہمانِ خصوصی تھے۔ افتتاح پدم شری پروفیسر اختر الواسع نے کیا۔ آرکیٹیکٹ وِویک سنگھ راؤ اور فیروز احمد صدیقی مہمانانِ ذی وقار کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ پروفیسر اختر الواسع نے اس موقعے پر کہا کہ ہم اپنے گھروں کی تختیوں پر اردو میں نام کیوں نہیں لکھتے ہیں؟ ایسا کرنے کے لیے سرکار نے ہم پر کوئی پابندی نہیں لگا رکھی ہے۔ جتندر منی ترپاٹھی نے اس پروگرام کے انعقاد کے لے مبارک باد پیش کی۔ بزرگ شاعر شیدا امروہوی کو شال اوڑھا کر لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ اور سند پیش کی گئی۔

مشاعرے سے قبل نئی آواز تنظیم کی جانب سے نمایاں خدمات کے لیے نئی آواز ایوارڈ پیش کیے گئے جن میں آرکیٹیکٹ وویک سنگھ راؤ، اسلم بنارسی، شاہنواز احمد، وسیم انصاری، ڈاکٹر سیّد تنویر احمد اور یو. ایم. قریشی کو ایوارڈ، شیلڈ، شال اور سرٹیفکٹ پیش کیے گئے۔ اس کے علاوہ تمام شعرائے کرام کو بھی نئی آواز کی جانب سے میمنٹو پیش کیے گئے۔ مشاعرے کی نظامت کے فرائض اعجاز انصاری نے انجام دیے جب کہ جلسے کی نظامت حامد علی اختر نے فرمائی۔ جن شعرائے کرام نے اپنا کلام پڑھا ان میں متین امروہوی، خمار دہلوی، اسلم بنارسی (بنگلور)، عتیق دانش (سورت)، عبداللہ راز (دیوبند)، حامد علی اختر، اسلم بیتاب، مہدی رمن، مشفق بچھرایونی، پنڈت پریم بریلوی، راشدہ باقی حیا، صبا عزیز، خوشبو پروین، ڈاکٹر سنتوش کومل اور ہما دہلوی کے نام شامل ہیں۔

(انقلاب۔دہلی)

وزیرِ فن و ثقافت کپل مشرا اُردو کے ساتھ سوتیلا برتاؤ کررہے ہیں

مرزا مہتاب بیگ

نئی دہلی (13 دسمبر)۔ دہلی میں بی جے پی حکومت کے قیام کے فوراً بعد تمام اکادمیوں، بورڈز اور کمیشنوں کو تحلیل کر دیا گیا تھا، جن میں اردو اکادمی بھی شامل تھی۔ اسی وقت سے اکادمی اس سے متاثر ہے۔ دلت مسلم ایکتا فرنٹ کے قومی صدر مرزا مہتاب بیگ نے کہا کہ دلت مسلم ایکتا فرنٹ اردو اکادمی دہلی کے ادیبوں اور شاعروں کے ساتھ ہے، سب کو انصاف دلایا جائے گا۔ مرزا مہتاب بیگ نے کہا کہ وزیرِ فن و ثقافت کپل مشرا کو اس طرف دھیان دینا چاہیے کیوں کہ مالی اعانت حاصل کرنے والے بزرگ ادیب، صحافی اور شاعر گذشتہ کئی ماہ سے پنشن سے محروم ہیں اور اس سب کی ذمے دار دہلی کی بی جے پی حکومت ہے۔ یہاں تک کہ گورننگ کونسل اور وائس چیئرمین نہ ہونے کی وجہ سے نئے مالی سال کے آغاز پر متعلقہ فائل وزیرِ فن و ثقافت کپل مشرا کو بھیجی گئی جس میں پنشن سے متعلق فائل بھی ہے۔ محکمۂ فن و ثقافت کے وزیر ہونے کی حیثیت سے کپل مشرا دہلی اردو اکادمی کے چیئرمین بھی ہیں لیکن اس پر کوئی ایکشن نہیں لیا گیا۔ یہ اردو کے ساتھ سوتیلا پن نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ دلت مسلم ایکتا فرنٹ کے قومی صدر مرزا مہتاب بیگ نے کہا کہ حکومت اس پر جلد سے جلد کوئی پلان بنائے تاکہ ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں کے ساتھ جو ناانصافی ہو رہی ہے، اس کو دور کیا جاسکے۔ اس سلسلے میں انھوں نے وزیرِ اعظم نریندر مودی، دہلی کی وزیرِ اعلا ریکھا گپتا، دہلی کے ایل جی اور وزیرِ فن و ثقافت کپل مشرا کے ساتھ ساتھ کئی اعلا افسران کو تحریری شکایت کی ہے۔ (انقلاب۔دہلی)

انٹرمیڈیٹ نصاب میں اصلاحات، QR کوڈ کے ساتھ نئی کتابیں شائع کی جائیں گی

اردو میڈیم کی کتابیں بھی انگریزی کے ساتھ ہی شائع ہوں گی

حیدرآباد (31 دسمبر)۔ انٹرمیڈیٹ طلبہ کے لیے ایک بڑی اور خوش آئند تبدیلی کا اعلان کیا گیا ہے۔ طویل عرصے سے مشکل سمجھے جانے والے مضامین کو آسان بنانے کے مقصد سے حکومت نے انٹر نصاب اور امتحانی نظام میں اہم اصلاحات کی ہیں، یہ نیا نصاب تعلیمی سال 27-2026 سے نافذ العمل ہوگا۔ حکام کے مطابق انٹر میتھمیٹکس B-1 اور کیمسٹری جیسے مضامین جو طلبہ کے لیے سخت تصور کیے جاتے تھے، ان کے نصاب میں نمایاں کمی کی گئی ہے۔ کیمسٹری کے نصاب میں 30 فیصد جب کہ بعض دیگر مضامین میں 20 فیصد تک نصاب کم کیا گیا ہے۔ ماہرین کی کمیٹی نے نئے نصاب کو NCERT کے معیار کے مطابق تیار کیا ہے۔ پہلی مرتبہ انٹر نصابی کتابیں QR کوڈ کے ساتھ شائع کی جائیں گی۔ کتابیں کثیر رنگوں میں پرنٹ ہوں گی۔ کتابوں میں بہتر معیار کے لیے 70 Gsm کاغذ اور SS نقشے استعمال کیے جائیں گے۔ تلگو اور تاریخ کی کتابوں میں تلنگانہ کی تاریخ اور ثقافت کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔ تلگو اکیڈمی کو نئی کتابوں کی طباعت کی ذمے داری سونپی گئی ہے۔ حکام کا ہدف ہے کہ اپریل کے دوسرے ہفتے تک یہ کتابیں بازار میں دستیاب ہوں۔ اس نئی تبدیلی کے ساتھ آرٹس کے موضوع کے 80 نمبر اور تھیوری کے انٹرنل 20 نمبر ہوں گے۔ ریاضی کا امتحان اب 60 نمبر پر مشتمل ہوگا جو پہلے 75 نمبر پر مشتمل تھا جب کہ 15 نمبر انٹرنل ہوں گے۔ سائنس کے موضوع میں 30 نمبر پریکٹیکل کے ہوں گے۔ ایم ای سی کورس میں ریاضی کے امتحان کے جملہ نمبر 150 کو گھٹا کر 100 کر دیے گئے۔ 80 نمبر تھیوری اور 20 نمبر انٹرنل ہوں گے۔ ایک نیا کورس (ACE) اکاؤنٹس، کامرس، اکنامکس متعارف کرایا جارہا ہے۔ CEC اور ACE کورسز کی کتابیں الگ الگ ہوں گی۔ ایک اور اہم فیصلے کے تحت اس بار کتابوں کا متوازی ترجمہ کیا جارہا ہے۔ اب تک اردو میڈیم کی کتابیں انگریزی میڈیم کے بعد شائع ہوتی تھیں، لیکن اب انگریزی اور اردو میڈیم کی کتابیں بیک وقت تیار کی جارہی ہیں جس سے اردو میڈیم کے طلبہ کو بڑی سہولت ملے گی۔ نئے نصاب کے موثر نفاذ کے لیے موسمِ گرما کی تعطیلات میں لکچررس کو خصوصی تربیت دی جائے گی تاکہ طلبہ کو بہتر انداز میں پڑھایا جاسکے۔

(سیاست۔حیدرآباد)

'دشتِ جنوں' کا اجرا اور مشاعرہ

ناگ پور (پریس ریلیز)۔ ڈاکٹر فداء المصطفیٰ فدوی کے شعری مجموعے 'دشتِ جنوں' کا اجرا 29 نومبر 2025 کو ایک تقریب میں عمل میں آیا۔ اجرا ڈاکٹر آغا غیاث الرحمٰن کے دستِ مبارک سے ہوا، جو تقریب کے صدر بھی تھے۔ یہ تقریب احباب کمیونٹی ہال، احباب کالونی، ناگپور میں انجام پائی، جس کا اہتمام شہر ناگپور کی ایک فعال ادبی انجمن 'پاسدارانِ ادب' نے کیا تھا۔ تقریب کا آغاز تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا اور اُس کے بعد ڈاکٹر فدوی کی نعت پاک مشتاق احسن نے ترنم سے پیش کی۔ ڈاکٹر شرف الدین ساحل، ڈاکٹر زینت اللہ جاوید اور ڈاکٹر خواجہ غلام السیدین مہمانانِ خصوصی تھے۔ اِن تینوں حضرات نے فداء المصطفیٰ فدوی کی شاعری اور ان کے اُسلوب پر اظہارِ خیال فرمایا۔ انجمنِ ترقیِ اردو ناگ پور شاخ کی جانب سے ڈاکٹر اظہر حیات نے ڈاکٹر فدوی کا استقبال کیا۔ رسمِ اجرا کے بعد ایک مشاعرہ بھی منعقد کیا گیا جس میں مقامی شعرائے کرام نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا جن میں مہمانانِ خصوصی کے علاوہ شیخ عبد الوحید، مولانا شاکر الاکرم فلاحی، شاہ نواز تمنا جمالی، خواجہ ساجد، عابد حسین عابد، ڈاکٹر ندیم خان، صمد قیصر، ریاض کامل اور مشتاق احسن قابلِ ذکر ہیں۔ اِس موقعے پر ڈاکٹر فدوی نے بھی اپنی دو غزلیں پیش کیں۔ تقریب کی نظامت خواجہ بدر الدجیٰ ساجد نے بخوبی انجام دی۔ ہدیۂ تشکر، تقریب کے کنوینر ڈاکٹر ثاقب حسین نے پیش کیا۔ آخر میں ڈاکٹر فدوی نے اپنا مجموعۂ کلام دشتِ جنوں شرکا کی خدمت میں پیش کیا۔

اردو زبان کے فروغ کے لیے کوشاں ہے حکومتِ بہار

ایڈیشنل کلکٹر

بتیا، چمپارن (17 دسمبر)۔ اردو زبان کے فروغ کے لیے حکومتِ بہار کوشاں ہے، اس کی ترویج و ترقی کے لیے مختلف منصوبے چلا رہی ہے تاکہ اردو کا فروغ ہوسکے۔ مذکورہ باتیں ایڈیشنل کلکٹر راجیو رنجن نے سکریٹریٹ اردو ڈائرکٹوریٹ بہار، پٹنہ کی ہدایت پر منعقدہ فروغِ اردو عمل گاہ، سمینار و مشاعرے میں کہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ زبانیں مذہب اور علاقے کے حصار کو ختم کر دیتی ہیں۔ وہیں اردو مشاورتی کمیٹی کے ممبر اسلم خاں حقی نے کہا کہ اردو زبان ایک ایسی زبان ہے جس کو نہ جاننے والے بھی سن کر واہ واہ کرتے ہیں۔ اس پروگرام کا افتتاح ایڈیشنل کلکٹر صاحب اور ضلع کے معزز شخصیات کے ہاتھوں شمع افروزی کر کے کیا گیا۔ اس پروگرام کو تین حصوں میں منقسم کیا گیا: پہلے حصے میں ورکشاپ کا انعقاد تھا جس میں معلمین اور اردو کی تدریس پر تبادلۂ خیال کیا گیا اور اس کا ممکنہ حل پیش کیا گیا وہیں دوسرے مرحلے میں سمینار کا انعقاد ہوا جس میں مقالہ نگار عظیم اقبال، جناب محمد ذاکر اور جناب قمر ریاضی صاحبان نے اپنا اپنا مقالہ پیش کیا۔ آخری حصے میں مشاعرہ ہوا جس میں بتیا و اطرافِ بتیا کے شعرا نے شرکت کی اور ان کے اشعار سے سامعین خوب محظوظ ہوئے۔ پروگرام کے آخر میں سبھی شریک ادبا و شعرا کو میمنٹو دے کر عزت افزائی کی گئی۔ اس پروگرام میں ضلع اردو سیل کی جانب سے چمپارن کے چار مشہور اردو صحافی ایس اے شکیل (پندار اردو، پٹنہ)، امان الحق (قومی تنظیم)، قمر الزماں (تاثیر) اور شاکر عرفات (انقلاب) کو میمنٹو اور شال پیش کر کے ان کی گراں قدر خدمات کا اعتراف کیا گیا۔ اس پروگرام کی نظامت کی ذمے داری اردو مترجم صدر بلاک بتیا کے محمد محی الدین اشرفی نے انجام دی۔ (قومی تنظیم۔پٹنہ)

غالب انسٹی ٹیوٹ میں بین الاقوامی جشنِ غالب تقریبات اختتام پذیر

نئی دہلی (پریس ریلیز، 28 دسمبر)۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیرِ اہتمام سہ روزہ بین الاقوامی جشنِ غالب تقریبات جس کا سلسلہ 26 دسمبر سے شروع ہوا تھا اور 28 دسمبر کو اختتام پذیر ہوا۔ تقریبات کے تحت سہ روزہ بین الاقوامی سمینار 'منشی پریم چند: ذہن زمانہ اور آرٹ' کے آج تین اجلاس منعقد ہوئے۔ پہلے اجلاس کی صدارت جناب امیر مہدی نے کی۔ صدارتی تقریر کے دوران انھوں نے کہا پریم چند کو جن لوگوں نے پڑھا اور لکھا وہ سب اس لائق نہیں ہے کہ اس کو مستند سمجھ لیا گیا۔ یہ سمینار اسی لیے منعقد ہوتے ہیں تاکہ مفید اور غیر مفید کو الگ کیا جاسکے۔ اس اجلاس میں جناب مقصود دانش نے 'پریم چند: بیانیہ کے چند پہلو'، ڈاکٹر فوزان احمد نے 'عربی میں پریم چند شناسی'، محترمہ نازرین انصاری نے 'منشی پریم چند: ذہن، زمانہ اور آرٹ' اور جناب شاہد جمال نے 'پریم چند کا تصورِ انقلاب' کے موضوعات پر مقالات پیش کیے۔ اس جلسے کی نظامت ڈاکٹر شاداب شمیم نے کی۔ دوسرے اجلاس کی صدارت پروفیسر مظہر مہدی نے فرمائی۔ صدارتی تقریر میں انھوں نے کہا تکرار اپنی شرائط کے ساتھ بری شے نہیں ہے۔ اگر ایک

...(بقیہ صفحہ 7 پر)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : جمالیات (کلامِ جمال صابری)
مرتب : مہرعالم خاں
اشاعت : 2025
ضخامت : 311صفحات
قیمت : 499روپے
ملنے کا پتا : ریختہ پبلی کیشنز، بی-37، سیکٹر1، نوئیڈا-201301
تبصرہ نگار : غلام السیدین (ناگ پور)

E-mail: drgskhwaja@gmail.com

عابد رضا خان متخلص بہ جماؔل صابری 1899 میں علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ اُن کا شعری مجموعہ 'جمالیات' ادب کے پارکھ جناب مہر عالم خان خوش باش نے ترتیب دیا ہے جسے ریختہ فاؤنڈیشن، نئی دہلی نے حال ہی میں شائع کیا ہے۔ اِس شعری مجموعے میں غزلوں سے قبل جمال صابری کی نعتیں، منقبتیں، سلام، نظمیں اور قطعات بھی بہت خوب ہیں۔ اُن کی غزلوں کے مضامین تراکیب، صنعتیں اور اُسلوب متاخرین کی وضع کردہ راہ پر چلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

محبوب سے وصال کی خواہش، اُس سے بے اعتنائی کا گلہ، دل و جگر پر تیرِ نظر کے زخم، محبوب کے عشوہ وغمزے کی ناز برداری، ستم کے باوجود لب پر شکایت نہ لانا، محبت کو ہوس کی آمیزش سے پاک رکھنا، یادِ محبوب کو سرمایہ سمجھ کر دل میں محفوظ رکھنا، بے قراری کو دل کا قرار کہنا، محفل میں حالِ دل بیان نہ کرنا، اِس پر اصرار کرنا کہ محبوب خود حال دریافت کرے، محبت میں پندار، گلشن کی آب یاری، تعمیرِ آشیانہ، خزاں میں بربادیِ چمن پر فغاں، بہار کی آمد کا انتظار، قفس میں رہ کر بھی بہاروں کی دعا، وحشت، جنوں، فرزانگی اور صحرا نوردی وغیرہ روایتی شاعری میں عشق کے شعار سمجھے گئے ہیں۔ اِن ہی جذبوں سے مزیّن مضامین، جمال صابری کی غزلوں میں جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ اردو شاعری کی کلاسکیت جمال صابری کے کلام میں اپنے پورے وجود اور جمال کے ساتھ دکھائی دیتی ہے۔

جماؔل صابری کے شعری سرمایے میں اصناف کے شمار کے اعتبار سے چھے نعتیں، اہلِ بیت اور بزرگوں کی شان میں چھے سلام، بزرگانِ دین کی شان میں منقبتیں اور کئی تاثر انگیز نظمیں ہیں جن میں تاج محل، پیغامِ حیات، جلوؤں کی فراوانی، ہندستان کا یومِ آزادی اور بیداری قابلِ ذکر ہیں۔ ہفتہ وار 'شباب' کے مدیر رہے اِس لیے حالاتِ حاضرہ اور سیاسی موضوعات پر اُن کے 50 سے زاید قطعات زیرِ تحریر آئے ہیں۔ اِن نظموں اور قطعات سے سوا سو کے قریب غزلیں شاملِ مجموعہ ہیں۔

جماؔل صابری نے کئی اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے لیکن غزل اُن کا خاص میدانِ کارزار ہے۔ جماؔل صابری نے اپنی غزلوں میں محبوب کے پیکر کا ذکر بڑی لگاوٹ سے کیا ہے لیکن زُلف کی دل آویزی، زلف کی خوشبو اور زلف کی ٹھنڈی چھاؤں میں جاذبیت کا ذکر ایک خاص انداز سے کیا ہے۔ غزل کے اشعار میں زلف کا ذکر دیکھیں:

عجب وابستگی ہے اُن کے عنبر ریز بالوں سے
مجھے آتی ہے خوشبو رات بھر اپنے خیالوں سے

زلفِ محبوب کی مدح میں ایک جگہ کہتے ہیں:

مطلب یہ ہے گھٹاؤں کا اعزاز کم نہ ہو
وہ آئے اپنی زلفِ پریشاں لیے ہوئے

جماؔل صابری کا تغزل بھی کمال کا ہے۔ ایک رمز رکھ کر انھوں نے بات تو کہہ دی لیکن یہ بھی دعویٰ ہے کہ 'میں کیوں بتاؤں' کہتے ہیں:

میں کیوں بتاؤں' بزمِ محبت کی بات ہے
کیوں لے رہے ہیں آج وہ انگڑائیاں نہ پوچھ

جماؔل صابری کی غزل میں حسن کی ستائش کے ساتھ ساتھ حیات کا حوصلہ بھی ہے۔ محبوب سے بے توجہی کی شکایت میں یاسیت کی جھلک تو ہوتی ہے مگر وہ جینے کا حوصلہ نہیں چھوڑتے۔ دو حیات بخش اشعار دیکھیے:

زیست محتاجِ آرزو نہ رہے
دل میں وہ اعتبار پیدا کر

سفر، ذوقِ سفر سے ہے عبارت
نہ پہنچائیں گے منزل تک سہارے

اساتذہ نے صنعتِ تضاد (paradox) کے سہارے بہت خوب صورت مضامین باندھے ہیں۔ جماؔل صابری بھی اِس فن سے خوب واقف تھے۔ یہ دو مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

چال غلط ہے دنیا کی، پھیلی ہے یہاں تک تاریکی
جتنی آنکھیں کھلتی ہیں، اُتنی دنیا سوتی ہے

وہ آئیں گے مری میت پہ مجبورِ وفا ہوکر
نمازِ زندگی اک دن ادا ہوگی قضا ہوکر

دوسرے شعر میں 'ادا' اور 'قضا' کے تضاد سے جو خوبی پیدا ہوئی ہے اُس سے شعر میں بلاغت پیدا ہوگئی ہے جو قابلِ تعریف ہے۔ یہ شعر زبان اور فن دونوں اعتبار سے خوب تر ہے۔

اب آیئے جماؔل صابری کے فن اور تکنیک پر بات کرلیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ کامیاب مطلع کہنا بہت مشکل ہے۔ جماؔل صابری نے مطلعے بہت خوب کہے ہیں۔ کچھ مطلعے ملاحظہ فرمائیں:

یہ حسرت ہے کہ ہم اپنی جبیں کو آسماں کرلیں
اجازت دو تو اک سجدہ، قریبِ آستاں کرلیں

ہر اک ذرے پہ سجدے کا نشاں ہے
یہ دنیا کیا ہے تیرا آستاں ہے

آہ لبِ خموش بہ شکلِ بیاں رہے
دریا کی شان یہ ہے، ہمیشہ رواں رہے

پہلے دونوں مطلعے عشقِ حقیقی کے بھی غماز ہیں۔ تیسرا مطلع خوبیِ بیان اور روانی کی اچھی مثال ہے۔ مضمون کی رعایت سے الفاظ ایسے رکھے ہیں کہ اپنی جگہ بول اُٹھتے ہیں۔ جماؔل صابری کے اِس مطلع کی تحسین کی جانی چاہیے۔

فصیح الملک حضرت داغؔ دہلوی کی شاعری کی مقبولیت کی وجہ یہ وصف بھی تھا کہ وہ ایک لفظ کو اُس کے معنی اور محلِ استعمال کے اعتبار سے ایسی جگہ رکھتے کہ وہ نگینہ بن جاتا تھا، پھر شعر میں اُس لفظ کے دوسرے معنی اور اُس کی تکرار ایک نیا مزہ دینے لگتی تھی۔ یہی ہنر اُن کے ہم عصر مولانا ابوالحسن گلاؤٹھوی کو بھی ودیعت ہوا تھا جس سے انھوں نے خوب دادو تحسین بٹوری۔ جمال صابری نے بھی اِس انداز کے شعر کہے ہیں۔ ایک مثال دیکھیں:

یہ شانِ بے نشانی ہے کہ اب تک ہے نشاں باقی
کبھی کا مٹ گیا ہوتا اگر میرا نشاں ہوتا

جمال صابری داغِ اسکول کی زبان سے تفننِ طبع کر کے چُپ ہو جاتے ہیں ایسا نہیں۔ داغؔ کے شاگرد ہونے کے باوجود سیمابؔ اکبرآبادی نے اردو غزل کو فکر انگیز مضامین سے مزین بھی کیا۔ سیمابؔ کی فکر انگیز شاعری کا پرتو جماؔل کی غزل پر بھی پڑا۔ ایک جگہ سیمابؔ نے کہا ہے:

کیوں جامِ شرابِ ناب مانگوں
ساقی کی نظر میں کیا نہیں ہے

جماؔل صابری کہتے ہیں:

مے کشی منحصر نہیں ، مے پر
اُن کی آنکھوں کا بھی سہارا ہے

عرفان و آگہی کے اچھے اشعار بھی جماؔل صابری کی غزلوں میں نظر آتے ہیں۔ وہ جنوں کے دشت میں بھٹکتے ہیں مگر وحشت کے ماروں کا مقام اِس طرح طے کرتے ہیں۔ شعر ملاحظہ فرمائیں:

وہ اب معمورۂ ہستی میں بھی ڈھونڈے نہیں ملتی
جو آبادی ترے وحشی کے ویرانے میں رہتی ہے

جماؔل صابری کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔ یہ مضامین اُن کی فکر کی بلندی اور مضمون بافی کے ہنر کو ثابت کرتے ہیں:

ذروں کا اضطراب بتاتا ہے یہ مجھے
چمکیں گے آسماں پہ ستارے نئے نئے

زمیں کی گود میں کچھ دل دکھے آرام کرتے ہیں
ذرا آہستہ چل، گورِ غریباں دیکھنے والے

سادگی اور پُرکاری بھی غزلیہ شاعری کا ایک وصف ہے۔ یہ شعر دیکھیں جو سہلِ ممتنع کی اچھی مثالیں ہیں:

مرا احساسِ غربت مسکرایا
کسی نے جب یہ پوچھا گھر کہاں ہے

درد ہی ہے قرار کا منبع
درد ہی میں قرار پیدا کر

سہلِ ممتنع کی خوبی سے متّصف چھوٹی بحر میں گوندھا ہوا ایک مطلع اور ایک شعر ملاحظہ فرمائیں:

آگئی پھر بہار کیا ہوگا
میرے پروردگار کیا ہوگا

اُن کا دامن ہے مائلِ جنبش
اے چراغِ مزار کیا ہوگا

سہلِ ممتنع کی خوبی اپنی جگہ لیکن اردو شاعری میں غزل، سہلِ ممتنع پر ختم نہیں ہو جاتی۔ فن، صنعت اور بلیغ مضامین والے اشعار اِس کا زیور ہوتے ہیں اور عروسِ غزل کے حسن کو چار چاند لگاتے ہیں۔ اِس ضمن میں جمال صابری کے یہ اشعار پیش کیے جاسکتے ہیں:

اہلِ نظر سے بھول ہوئی اُن کی بزم میں
وہ اُس طرف کہاں تھے، جدھر دیکھتے رہے

(یہ فریدالدین عطارؔ کی 'ہمہ اوست' کی تھیوری ہے جس کی رو سے خدا ہر جگہ موجود ہے)

نہ ہونا بھی مرا دنیا میں اک ہونے کی صورت تھی
فنا ہوکر بھی ' داغِ سینۂ گورِ غریباں تھا

خدا جانے ہمارے خواب کی تعبیر کیا ہوگی
کہ اک شعلہ سا دیکھا ہے قریبِ آشیاں ہم نے

چاک کر ڈالتی ہے ایک نیا دامن روز
یوسفِ گل کی پرستار ' زلیخائے بہار

آخری شعر میں زلیخاے بہار کے استعارے نے شعر میں بلاغت پیدا کردی ہے۔

رعایتِ لفظی اور زورِ بیان کا فسوں دیکھیں:

زخم دل میں، شبِ غم، داغ جگر میں نکلا
چاند نکلا کہ رگِ ابر سے نشتر نکلا

شاہ بدیع الدین مدارؒ (ف1434) مکن پور ضلع کان پور کے سلسلے سے یہ بات مشہور ہے کہ اُن کے چہرے پر اِس قدر نور تھا کہ جلوت میں بھی اُن کا چہرہ کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا... یہی اُن کا پردہ تھا۔ اِسی خیال کو جماؔل صابری نے ایک شعر میں بہت خوبی سے باندھا ہے۔ کہتے ہیں:

نگاہِ شوق ! خلوت ہی نہیں جلوت بھی پردہ ہے
وہ محفل میں بھی سب کے سامنے آیا نہیں کرتے

میری نظر تھی اُن پہ، مجھے ہوش کب رہا
راہوں میں میرے مدّتوں دنیا پڑی رہی

جمآل صابری کی غزلوں میں کلاسیکیت کی چاشنی کے ساتھ اُن کی لفظیات میں ایک لے کاری بھی دیکھنے کو ملتی ہے جو اُن کے مزاج کی موسیقیت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ مرتّب نے مقدمے میں اُن کی غزلوں کا عروضی تجزیہ کیا ہے جو پڑھنے کے قابل ہے۔

جمآل صابری اردو کے شاعر تھے اِس لیے اردو کی بقا کے لیے اُن کا دل دھڑکتا تھا۔ لیکن آزاد ہندستان میں اور خاص طور سے اُتر پردیش میں اردو اکادمیوں اور دیگر اداروں کی کارکردگی اُن کے سامنے تھی۔ اِس سلسلے میں ایک شعر میں انھوں نے دل کا درد بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں:

یہ سست روی، یہ نقصِ عمل، یہ نیند کی لذت، یہ غفلت
اردو کے خزانے کو یارب! اردو کے ادارے لوٹ نہ لیں

جمآل صابری کے اِس شعری مجموعے میں آپ کو بہت سے ایسے اشعار مل جائیں گے جنھیں آپ اپنی بیاض میں محفوظ کرنا چاہیں گے۔ یہ شعری مجموعہ کلاسیکی اردو غزل کہنے والے شعرا کی تخلیقات میں ایک اضافے کے طور پر دیکھا جانا چاہیے۔ ادب نوازوں سے میں امید کرتا ہوں کہ وہ اِس کی پذیرائی فرمائیں گے۔

جمآل صابری اب ہمارے بیچ نہیں ہیں۔ ایک شعر میں خود اُنھوں نے ہی کہا ہے:

بند کرلیں جمآل نے آنکھیں
رہ گئی شانِ جلوہ آرائی

جمآل صابری نے 19 مارچ 1987 کو دنیا سے آنکھیں پھر لیں۔ اُن کا کلام اُن کے پوتے ساجد رضا خان کی کوششوں سے، جناب پرویز عالم، لندن، کے اصرار سے مہر عالم خان کے حسنِ ترتیب سے اب اہلِ ذوق کے لیے دست یاب ہوگیا ہے۔ وہ اپنے کلام کے ذریعے ادب کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ♦♦

مولانا اسیر ادروی کی یاد میں

(بقیہ صفحہ 8 سے آگے)

سنجیدہ علمی موضوعات کے انتخاب پر مولانا ادروی نے ایک طالبِ علم کا جس طرح حوصلہ بڑھایا ہے وہ لائقِ مطالعہ اور قابلِ ستائش ہے۔ خُردوں سے اس طرح ٹوٹ کر محبت کرنے والے بالخصوص حوصلہ افزائی کرنے والے اب مشکل ہی سے ملیں گے۔

ناچیز ایک بار ان سے ملاقات کے لیے جامعہ اسلامیہ بنارس گیا، لیکن ملاقات نہیں ہوسکی۔ وہ اپنے وطن ادری آئے ہوئے تھے۔ دوبارہ ملاقات کے لیے ادری گیا۔ ملاقات تو ضرور ہوئی، مگر اب وہ بینائی سے محروم تھے۔ تاہم میں نے جونہی اپنا نام بتایا اور مصافحہ کیا تو دیر تک میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے رہے اور لوگوں سے مخاطب ہوکر کہا ڈاکٹر صاحب نے مجلّہ 'ترجمان الاسلام' نکالنے میں ہماری بڑی مدد کی۔ حالاں کہ معاملہ محض میرے شوق کا تھا، لیکن بڑے لوگ اسی طرح اپنے خُردوں کی تحسین اور ان کی حوصلہ افزائی کیا کرتے ہیں۔ اب ایسے بڑے لوگ شاید پیدا نہیں ہوتے یا شاید ہمارا ان سے رابطہ نہیں ہوتا۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ نیک لوگ بھی خوش بختی سے ملا کرتے ہیں۔

ناچیز دیر تک ان کے پاس بیٹھا رہا۔ وہ باتیں کرتے رہے اور میں ان کی معذوری اور مجبوری سے پریشان یہ سوچتا رہا کہ انھیں بالکل دکھائی نہیں دے رہا ہے تو یہ کس طرح روزمرہ کے مسائل ومعاملات سے نبرد آزما ہوتے ہوں گے۔؟

بہرحال وہ اسی طرح اور اسی حال میں کئی برس تک صابروشاکر رہے اور کمال ہے ان کے صاحبزادگان اور متعلقین کا کہ پوری تندہی کے ساتھ ان کی خدمت کرتے رہے۔ اللہ تعالی ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور بہترین بدلہ عطا کرے۔

ناچیز دوبارہ ادری نہیں جاسکا البتہ گاہے ماہے مئو اور ادری سے آنے جانے والوں سے اور آخر میں حافظ انیس ادروی صاحب استاد جامعۃ الرشاد سے ان کی خیروعافیت معلوم کیا کرتا تھا۔ اب وہ وہاں ہیں جہاں سے کسی کی کچھ خبر نہیں آتی۔ اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے اور ان کی تربت ہمیشہ منور رکھے۔ آمین

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
شائستہ منزل، 641، پورہ غلامی، عقب آواس وکاس،
اعظم گڑھ-276001، یوپی
E-mail: azmi408@gmail.com, Mob. 9838573645

غالب انسٹی ٹیوٹ میں بین الاقوامی جشنِ غالب تقریبات اختتام پذیر

(بقیہ صفحہ 5 سے آگے)

سائنس داں ایک دریافت کرتا ہے اور دوسرا سائنس داں بھی تجربے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا تو یہ تکرار نہیں ہے۔ تکرار اس وقت ہوتی ہے جب تجربے کے بغیر کہی بات کو دہرا دیا جائے۔ اس جلسے میں پروفیسر محمد کاظم نے اردو ڈرامے کا فن اور پریم چند کے ڈرامے اور تراجم، ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی نے 'پریم چند اور جامعہ ملیہ اسلامیہ'، ڈاکٹر پربھارت رنجن نے 'پریم چند کا کسان آج کے سندربھ میں' اور ڈاکٹر فیض اللہ خان نے 'فرنچ زبان میں پریم چند شناسی' کے موضوع پر مقالات پیش کیے۔ اس جلسے کی نظامت ڈاکٹر عبدالرزاق زیادی نے انجام دی۔ تیسرے جلسے کی صدارت پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین اور ڈاکٹر محیا عبدالرحمان نے فرمائی۔ پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے کہا کہ غیرملکی لوگ جب پریم چند کو پڑھتے ہیں تو ان کے سامنے صرف زبان رکاوٹ نہیں ہوتی بلکہ تہذیب کا فرق زیادہ بڑی رکاوٹ ہے۔ وہ لوگ اصل متن کے ساتھ تہذیب کا بھی مطالعہ کرتے ہیں۔ اس طرح پریم چند کا مطالعہ کتنا اہم ہوجاتا ہے وہ بہت خاص چیز ہے۔ اس جلسے میں پروفیسر صغیر افراہیم نے 'پریم چند تنقید 1975 سے 2025 تک'، جناب امیر مہدی نے 'منشی پریم چند: ذہن، زمانہ اور آرٹ'، ڈاکٹر جتندر سری واستو نے 'رام ولاس پریم چند کے آلوچک' اور ڈاکٹر یوروا صباحت نے 'نرملا کے کردار پر تبصرہ' کے عنوان سے مقالات پیش کیے۔ اس جلسے کی نظامت ڈاکٹر ندیم احمد نے انجام دی۔ اختتامی جلسے کی صدارت جناب امیر مہدی نے فرمائی اور جناب عبدالرحمٰن، ڈاکٹر خالد علوی، پروفیسر انور پاشا، ڈاکٹر جتندر سری واستو اور پروفیسر سرورالدی نے اظہارِ خیال کیا۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر ادریس احمد نے تمام مقالہ نگاروں، صدور، ناظمِ اجلاس اور شرکا کا شکریہ ادا کیا۔ اختتامی اجلاس کے بعد جناب عباس حیدر نقوی کی ہدایت میں اے ایم کاردار کا تحریر کردہ ڈراما 'غالب کی واپسی' پیش کیا گیا۔

☆☆☆

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

میرے مضامین (مجموعۂ مضامین ومقالات)	ڈاکٹر ماجد دیوبندی	300/-
نسخۂ حفیظ الدین احمد	اطہر فاروقی	1000/-
سرودِ عشق	شاہ رُخ جمال	200/-
گل دوگانہ	سیّد کاشف رضا	300/-
مشائخِ دہلی کی جامع تاریخ	پروفیسر شریف حسین قاسمی	700/-
مقالاتِ نظامی (پانچ جلدیں)	خلیق احمد نظامی	4500/-
نگینے لوگ (خاکوں کا مجموعہ)	معصوم مرادآبادی	250/-
ہمارا شہر اُس برس (گیتانجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	700/-
میں میر میر کر اس کو بہت پکار رہا	سرورالہدیٰ	500/-
1857 کی اَن کہی حیرت انگیز داستانیں	شمس الاسلام	300/-
دیووں کا ظہور (الوک اگروال/ بینک اگروال)	مترجم: سیّد وجاہت مظہر	500/-
غزل اور فنِ غزل	ڈاکٹر نریش	200/-
فرہنگِ تلفظ: ایک تحقیقی وتنقیدی مطالعہ	سیّد رضوان علی ندوی	
	رؤف پاریکھ	250/-
مشاہیر ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام	ابراہیم افسر	600/-
منیب الرحمٰن کی ایک صدی	بیدار بخت/ انور احمد	400/-
اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میانِ من وتو (تحقیقی وتنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات ومضامین)	طاہر محمود	700/-
میر کی خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق وتوازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری وتاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتانجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکمِ سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیرالمنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-
مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر...	میر حسین علی امام،	
	یاسمین سلطانہ فاروقی	700/-
لفظ (کلیاتِ زہرا نگاہ)	زہرا نگاہ	500/-
In This Live Desolation (Autobiography of Akhtarul Iman)	ترجمہ: بیدار بخت	500/-
سخنِ افتخار (کلیاتِ افتخار عارف)	افتخار عارف	1500/-
گواہی (شاعری)	گوہر رضا	500/-
میری زمین کی دھوپ (ہندی)	ونود کمار ترپاٹھی بشّر	400/-
کھُلا دروازہ	ڈاکٹر نریش	250/-
ٹیپو سلطان کا خواب (گریش کرناڈ)	محبوب الرحمان فاروقی	300/-
اپنی دنیا آپ پیدا کر	غلام حیدر	900/-

مولانا اسیر ادروی کی یادیں

محمد الیاس الاعظمی

20 مئی 2021 کو ہمارے عہد کے نامور عالم و مصنف، محقق و مورخ اور علومِ اسلامیہ پر گہری نگاہ رکھنے والے ممتاز عالمِ دین مولانا نظام الدین اسیر ادروی نے 95 سال کی عمر میں اس جہانِ فانی کو خیر باد کیا۔

وہ عرصے سے علیل اور بستر پر تھے۔ کئی برس سے آنکھوں کی روشنی سے محروم تھے جس سے آہستہ آہستہ وہ بالکل معذور سے ہو گئے تھے۔ اس تکلیف دہ حال میں وہ برسوں رہے اور صبر و شکر کا ایک پیکر مجسم بنے رہے، لیکن کب تک؟ آخر وہ دن آ ہی گیا جس کی تاریخ پہلے سے طے ہوتی ہے اور اسیرؔ ادروی صاحب اپنے مالکِ حقیقی کے حضور پہنچ گئے۔

وہ ضلع اعظم گڑھ کے ایک مشہور قصبہ ادری میں جو اَب ضلع مئو میں شامل ہے، 1926 میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ فیض الغرباء قصبہ ادری میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد مختلف مدارس مثلاً مفتاح العلوم مئو، احیاء العلوم مبارک پور اور دارالعلوم مئو میں تحصیلِ علم کیا۔ بعد ازاں اعلا تعلیم اور فراغت کے لیے دارالعلوم دیوبند گئے، مگر وہاں کسی وجہ سے داخلہ ممکن نہیں ہوا تو ملک کی ایک اور مرکزی درس گاہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں داخل ہوئے اور اپنے عہد کے ایک ممتاز عالم اور استاذ الاساتذہ مولانا سید فخر الدینؒ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ 1942 میں روایتی تعلیم سے فراغت پائی۔

ان کے اساتذہ میں اپنے عہد کے ہندستان کے نامور علما، فضلا اور محققین و محدثینِ عظام کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ ان میں مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی، مولانا عبداللطیف نعمانی، مولانا شکر اللہ مبارک پوری، مولانا بشیر احمد مظاہری، مولانا محمد عمر مظاہری، مولانا مفتی محمد یاسین مبارک پوری، مولانا عبدالرشید الحسینی، مولانا سید فخر الدین احمد، مولانا محمد اسماعیل سنبھلی اور مولانا محمد میاں دیوبندی وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا اسیر ادروی نے اپنے عہد کے کس درجہ بلند درجہ اور صاحبِ علم و نظر علما و فضلا اور محدثینِ کبار سے کسبِ فیض کیا تھا اور وہ خود کس مرتبے کے عالم و محقق رہے ہوں گے۔

تکمیل کے بعد بعض مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد اپنے وطن قصبہ ادری میں 1954 میں مدرسہ دارالاسلام کی بنیاد رکھی اور اسے ترقی دینے کی ہر ممکن کوشش کی۔ 16 سال اس سے وابستہ رہے اور بے شمار طالبانِ علومِ اسلامیہ نے ان سے اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ اس کے بعد وہ جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس میں استاذ ہوگئے اور جب تک قویٰ نے ساتھ دیا وہ اپنی تعلیمی اور تدریسی خدمات بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ ان کا شمار جامعہ اسلامیہ بنارس کے مخلص، ماہر، محنتی اور بڑے باصلاحیت اساتذہ میں ہوتا ہے۔

مولانا اسیر صاحب کو فیاضِ فطرت نے ہمہ گیری اور ہمہ جہتی عطا کی تھی۔ ذہین تو تھے ہی حافظہ بھی بہت قوی پایا تھا۔ برسوں ابتدائی مدرسہ میں درس و تدریس کے بعد جب وہ جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس میں استاذ مقرر ہوئے اور اونچے درجات کی کتابیں پڑھانے کو ملیں تو کسی کو محسوس نہیں ہونے دیا کہ وہ درسِ نظامیہ کی ابتدائی کتب پڑھایا کرتے تھے۔ وہ ایک عمدہ اور بلند پایہ استاد تو تھے ہی لیکن واقعہ یہ ہے کہ اصلاً وہ مصنف و محقق، اہلِ قلم اور ادیب و انشا پرداز تھے۔ ان کے جوہر اسی میدان میں کھلے۔ انھوں نے اپنے علم و مطالعہ اور اپنی ذہانت و فطانت اور وسعتِ معلومات کی بنیاد پر جیسی بلند پایہ اور گراں مایہ کتابیں لکھ دیں وہ بڑے بڑے اہلِ قلم برسوں کی تلاش و تحقیق کے بعد بھی شاید ہی لکھ سکیں گے۔

وہ از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کے ایک عاشق زار تھے۔ مدۃ العمر اسی دبستان کی فکر و خیال کی ترجمانی کرتے رہے۔ ان کی خدماتِ دیوبند میں بڑا تنوع، طرفگی اور وسعت و گہرائی ہے۔ تاریخِ جمعیۃ، تاریخِ دارالعلوم دیوبند اور دبستان دیوبند کی علمی خدمات ان کی تصنیفات و تالیفات دارالعلوم سے بے پناہ محبت و شیفتگی کا نمونہ ہیں۔ یہی نہیں انھوں نے متعدد علمائے دیوبند کی مفصل سوانح عمریاں لکھیں اور ایسے شاندار علمی و تحقیقی انداز میں لکھیں کہ ان پر دبستان شبلی کا گمان ہوتا ہے۔ وہی اصول، وہی انداز، وہی اسلوب نگارش جس کے لیے دبستان شبلی دنیا بھر میں امتیاز رکھتا ہے۔ بلاشبہ وہ دبستانِ شبلی اور اس کے اسلوب و انداز کے ایک بڑے واقف کار تھے۔

ان کی تصنیفات و تالیفات کے موضوعات میں بڑا تنوع اور بڑی جامعیت ہے۔ انھوں نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا ہے اس کا حق ادا کردیا ہے۔ ان کی کتابوں کے ناموں ہی سے ان کی انفرادیت ظاہر ہوجاتی ہے اور یہ بھی کہ ان کا مطالعہ و مشاہدہ بہت وسیع و عمیق تھا۔ ان کی تصنیفات کے نام درج ذیل ہیں:

تاریخِ افکارِ عالم (دو جلدیں)، دبستانِ دیوبند کی علمی خدمات، دارالعلوم دیوبند: احیاءِ اسلام کی عظیم درس گاہ، مولانا رشید احمد گنگوہی، حیات اور کارنامے، عہدِ رسالت غارِ حرا سے گنبدِ خضریٰ تک، فنِ اسماء الرجال، مآثر شیخ الاسلام، تفسیر میں اسرائیلی روایات، تحریکِ آزادی اور مسلمان، تاریخ جمعیت علمائے ہند، تاریخِ طبری کا تحقیقی جائزہ، اردو شرح دیوانِ متنبّی، کاروانِ رفتہ، داستانِ ناتمام (خودنوشت) وغیرہ۔

خالص تاریخی و تحقیقی کتابوں کے علاوہ شعر و ادب اور افسانہ نگاری سے بھی ان کو دلچسپی تھی، ان کی نظمیں ان کے عہد کے موقر رسائل و جرائد میں شائع ہوتی تھیں، جن کا ایک مجموعہ مرتب ہوکر غائب ہوگیا، اس میں ان کا غیر مطبوعہ کلام بھی شامل تھا۔ اسی طرح ان کے افسانوں کا مجموعہ 'نشیب و فراز' بھی محفوظ نہیں رہا۔

اسیر صاحب کی خودنوشت 'داستانِ ناتمام' اردو میں لکھی جانے والی خودنوشتوں میں ایک وقیع خودنوشت ہے اور ادبا اور اہلِ علم کے درمیان انفرادیت اور تحسین کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ یہ اپنے مشمولات کے لحاظ سے بھی بڑی اہمیت اور افادیت کی حامل ہے۔ یہ محض خودنوشت ہی نہیں بلکہ دارالعلوم دیوبند اور دبستانِ دیوبند کی علمی تاریخ کا ایک اہم حصہ بھی ہے۔

اسیر ادروی صاحب کے کارنامۂ زندگی میں ایک بڑا اور قابلِ ذکر کارنامہ بنارس سے سہ ماہی مجلّہ 'ترجمان الاسلام' کی اشاعت ہے۔ اسے انھوں نے 1990 میں جامعہ اسلامیہ بنارس سے جاری کیا تھا اور جب تک قویٰ نے ساتھ دیا اسے بڑی آب و تاب سے جاری رکھا۔ یہ انھی کی بدولت نکلتا تھا اور جوں ہی انھوں نے جامعہ اسلامیہ بنارس کو خیر باد کہا سہ ماہی 'ترجمان الاسلام' کی اشاعت ہمیشہ کے لیے موقوف ہوگئی۔

یہ ناچیز کے دورِ طالب علمی کا واقعہ ہے۔ راقم کے متعدد علمی و ادبی اور تحقیقی مقالات مجلّہ 'ترجمان الاسلام' بنارس میں شائع ہوئے۔ ادروی صاحب نے اس ناچیز اور کم مایہ کی بڑی حوصلہ افزائی کی اور متعدد مقالات شائع کیے۔ میری بعض کتابوں پر انھوں نے تبصرے بھی لکھے ہیں اور جس خلوص و محبت سے شائع کیے ہیں وہ میری علمی زندگی کا بڑا قیمتی سرمایہ ہیں۔

'ترجمان الاسلام' اپنے علمی و تحقیقی مشمولات کی بنا پر ہم عصر علمی مجلّات میں ایک نمایاں مقام رکھتا تھا اور بڑے ذوق و شوق سے علما و دانشوروں کے درمیان پڑھا جاتا تھا۔ اس کے بعض خاص نمبر خصوصاً محدثِ کبیر اور قاضی اطہر مبارک پوری نمبر کو بے حد سراہا گیا۔ اب ان کی حیثیت ایک ماخذ کی ہوگئی ہے۔

مقالات کی اشاعت کے سلسلے میں راقم کی مولانا ادروی سے خط و کتابت بھی ہوئی۔ ان کے 14 خطوط میرے نام اہلِ علم کے مجموعۂ مکاتیب 'محبت نامے' میں شامل ہیں۔ ان خطوط میں اور باتوں کے سوا مقالات کی تحسین و ستائش، اسلوبِ نگارش کی داد اور ... (بقیہ صفحہ 7 پر)

اداریے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-٦
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی–110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002 and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***